حبش اور مسلمانوں کے تعلقات

عمر فاروق مودودی

(۴)

۱۹۱۳ء میں مینلک کی موت کے ساتھ حالات نے ایک مرتبہ پھر پلٹا کھایا اور حبشہ میں اسلام کی جو شمع بجھنے کو تھی قدرت نے اس کے روشن رہنے کا سامان کر دیا۔ تخت پر مینلک کا پوتا لیج ایاسو بیٹھا جسے اس نے اپنی زندگی میں (۱۹۰۸ء) اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ یہ بادشاہ مسلمانوں سے بڑھ کر مسلمان تھا۔ اس نے مسیحیت کا انکار کر دیا اور اس نظریے کا بھی انکار کر دیا جس کی بنیاد پر اس کا خاندان صدیوں سے حبشہ پر حکومت کرتا آ رہا تھا یعنی یہ کہ وہ لوگ سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کی اولاد ہیں۔ بلکہ اس کے مقابلے میں اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہے۔ اس نے بعض مسلمان فقراء سے فرمائش کی کہ وہ اس کے لیے عربی نسب نامہ لکھیں۔ اس نے مسلمان عورتوں سے نکاح کیے اور اس طرح باقاعدہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ مساجد میں جا کر عبادتیں کرتا تھا۔ اولیاء کے مزارات پر حاضریاں دیتا تھا۔ کلیسا میں کبھی نہیں جاتا تھا۔ اپنا روایتی لباس ترک کر کے مسلمانوں کا لباس اختیار کر لیا تھا۔ انہی کی طرح چادر اور عمامہ باندھتا تھا اور عربی طرز کی تلوار حمائل کرتا تھا۔

یہ تو وہ افعال تھے جو اس کی نجی زندگی اور ذاتی معاملات سے تعلق رکھتے تھے۔ کاروبارِ مملکت میں بھی وہ اسلام کا ایک سچا فدائی تھا۔ اس نے ایک مسجد بنائی۔ زمانۂ سابق میں ظالم بادشاہوں نے جن مسلمانوں سے ان کے مکان چھین کر عیسائیوں کے حوالے کر دیئے تھے، اس نے انہیں ان کے مکان پھر واپس دلوا دیئے۔ اپنے انجام سے بے پروا ہو کر اس نے پرچم پر حبشی حروف میں "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے الفاظ لکھوائے تھے۔ جلا کے قبائل نے جن میں اکثر مسلمان تھے جب بغاوت کی تو اس نے ان کے خلاف فوج بھیجنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کے مقابلے میں بلادِ سومال کے "دیوانے ملا" کی جو اسے اپنا برادرِ عم زاد کہتا تھا

پوری پوری مدد کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے مسلمان ریاستوں کا ایک وفاق بنانے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں بلاد سومال کے مسلمانوں سے باقاعدہ مدد طلب کی۔

لیج ایاسو کی اسلام کے ساتھ والہانہ عقیدت و شیفتگی، مسلمان نوازی اور یورپ کی استعماری طاقتوں کے ساتھ اس کا غیر فدویانہ طرزِ عمل حبشہ کے مسیحی عناصر اور یورپ کی استعماری طاقتوں کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۱۶ء میں حبشی کلیسا کے سربراہ نے اس کا مکمل مقاطعہ کر دیا اور اہرہ[1] قبیلے کے سرداروں کو اس کی وفاداری کے عہد سے بری الذمہ قرار دے دیا۔ اس طرح رسمی طور پر اسے تخت سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ منیلک کی بیٹی زودیتو کو ملکہ اور منیلک کے بھتیجے کے بیٹے جا زماش تفاری کو ریجنٹ، وارث تخت اور سرداروں کا سردار نامزد کر دیا۔

لیج ایاسو نے کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کا باپ راس میکائیل جو ولو اور گالا کا سردار تھا اس کی مدد کے لیے گالا فوجیں لے کر پہنچ گیا۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو ساگال کے مقام پر لیج ایاسو کی فوجوں اور اہرہ قبیلے اور یورپ کی استعماری طاقتوں کی متحدہ فوجوں کے درمیان ایک سخت خونریز معرکہ ہوا لیکن اہرہ قبیلے، انگلینڈ، فرانس اور اٹلی کی متحدہ قوت کے سامنے لیج ایاسو کی کچھ پیش نہ جا سکی۔ اس کا باپ راس میکائیل گرفتار ہوگیا اور وہ خود جان بچا کر نکل گیا۔ مگر آخر کار ۱۹۲۱ء میں راس تفاری نے اسے گرفتار کر لیا اور پابہ زنجیر قید کر دیا۔ پھر ۱۹۳۵ء میں زہر دے کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

۱۹۱۶ء میں لیج ایاسو کی معزولی کے ساتھ سکھ کی وہ چند گھڑیاں ختم ہوگئیں جو اس کی تخت نشینی کے ساتھ مسلمانوں کو نصیب ہوئی تھیں۔ تاہم فوراً ہی کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی کیونکہ ملکہ زودیتو اور ولی عہد راس تفاری کے درمیان اقتدار کی کشاکش شروع ہوگئی اور آپس کی اس کشاکش کے طفیل مسلمان محفوظ رہے۔

راس تفاری برابر اپنے اثرات بڑھاتا چلا گیا یہاں تک کہ ۱۹۲۸ء میں وہ اس قدر طاقتور ہوگیا کہ اس نے بوڑھی ملکہ زودیتو پر دباؤ ڈال کر اسے مجبور کر دیا کہ وہ اسے شوا کے صوبے کے

[1] حبشہ کا شاہی خاندان اہرہ قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ سلطنت کی تمام کلیدی اسامیاں صرف اہرہ سرداروں کو دی جاتی ہیں۔

نگس (بادشاہ) کا خطاب دے دے۔ دو سال کی مزید تنگ و دو کے بعد راس نفاری نے ملکہ کو زہر دے کر اپنے راستے سے ہٹا دیا اور ۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو ہیل سلاسی کے لقب کے ساتھ حبشہ کے تخت پر بیٹھ گیا۔

ہیل سلاسی نے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد ملک کو جدید جمہوری رنگ دینے کے لیے آئین و پارلیمان کے ڈھونگ رچائے لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ اس کے اپنے اقتدار پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ آئین کے جمہوری ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نظرثانی شدہ آئین کی، جو ۴ نومبر ۱۹۵۵ء کو نافذ کیا گیا ایک سو اکتیس دفعات میں سے اٹھاون دفعات مکمل طور پر بادشاہ، اس کے اختیارات، اس کے عقائد اور اس کے خاندان کے متعلق ہیں۔ آئین کی دفعہ ۲۶ کے مطابق بادشاہ اپنی سلطنت کے ہر معاملے میں اعلیٰ ترین اختیارات کا حامل ہے۔ دفعات ۲۷ اور ۳۶ کی رُو سے بادشاہ کو وزراء اور صدور بلدیات کے تقرر، کسی ملک کے ساتھ جنگ یا اندرون ملک ہنگامی حالات کے اعلان، امور خارجہ پر مکمل کنٹرول، معاہدات کی منظوری، سکے ڈھالنے، کرنسی نوٹ چھاپنے اور ملک کے دفاع اور سالمیت کے لیے ہر وہ قدم اٹھانے کے اختیارات حاصل ہیں جو ضروری سمجھا جائے۔ دفعہ ۸۸ کی رُو سے پارلیمان کا کوئی مجوزہ قانون اس وقت باقاعدہ قانون کی شکل اختیار کرے گا جب بادشاہ اس کی منظوری دے گا۔ لیکن اگر بادشاہ اس کی منظوری نہ دے تو وہ مجوزہ قانون کالعدم ہوگا اور بادشاہ کے ویٹو کے علی الرغم ہرگز پاس نہیں ہو سکتا۔

اس آئین کو دیکھتے ہوئے پارلیمان کی حقیقت کے بارے میں کوئی خوش فہمی باقی نہیں رہ سکتی۔ دنیا کے ان تمام ملکوں کی طرح جہاں کسی نہ کسی شکل میں آمریت کا دور دورہ ہے، حبشہ کی پارلیمان میں بھی حزب اختلاف کا وجود عنقا ہے۔ چند ارکان پارلیمان جو ایک مرتبہ اختلاف اور تنقید کا جرم کر بیٹھے تھے، بادشاہ کے حکم سے ان کی رکنیت منسوخ کر دی گئی۔ ایک اور رکن پارلیمان نے جو بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا جب پارلیمان میں حکومت سے حزب اختلاف منظم کرنے کی اجازت چاہنے کی جرأت کی تو پولیس اسے پارلیمنٹ ہاؤس سے گرفتار کر کے جیل لے گئی۔ ملک کی سیاسی صورت حال

پر اتھیوپیا ٹو ڈے میں مسٹر ارنسٹ ڈبلیو لوتھر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ ملک کی انتہائی بدنصیبی ہے کہ شاہ اور شاہی اختیارات کی آمیزش حکومت کے ادنیٰ درجے کے نظم و نسق پر بھی اپنی انتہائی مضبوط گرفت رکھتی ہے۔ اس آمیزش، اور شاہی لطف و کرم کے ذریعے ترقی کرنے کی جو حوصلہ افزائی یہ آمیزش کرتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حبشی گورنمنٹ کے افسروں کا، وزراء سے لے کر ادنیٰ سرکاری ملازمین تک، ایک سب سے زیادہ اہم کام ایک طرف اپنی پوزیشن کی حفاظت اور دوسری طرف سازباز اور الزام تراشی کے ذریعے دوسروں کی جڑیں کاٹتے رہنا ہے۔ ماتحت عملہ ہر وقت افسرانِ بالا کی ناخوشی کے خوف کے زیرِ اثر رہتا ہے۔ جب تک حبشہ میں شاہی مطلق العنانیت اس طرح سرایت کیے رہے گی اس وقت تک وہاں کسی ذمہ دار حکومت کے پنپنے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ نظرِ ثانی شدہ دستور کے باوجود پارلیمان غیر مؤثر اور عدلیہ کی آزادی فریبِ نظر رہے گی۔ شہری حقوق کی تنفیذ اور سیاسی امور میں اظہارِ رائے کی آزادی مستقبل کی موہوم امیدیں ہی رہیں گی۔"

دراصل اس وقت دو ادارے ملک پر چھائے ہوئے ہیں۔ ایک بادشاہ اور اس کا قبیلہ اور دوسرے اتھیوپین آرتھوڈاکس چرچ۔ چونکہ دونوں کے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کی پشت پناہی کرے اس وجہ سے نئے دستور کی دفعہ ۱۲۶ میں مسیحیت کو سرکاری مذہب قرار دینے کے بعد یہ الفاظ لکھے گئے ہیں کہ "بادشاہ ہمیشہ اتھیوپین آرتھوڈاکس عقیدے کا اقرار کرے گا"۔ اس طرح بادشاہ کو آرتھوڈاکس چرچ کا پابند بنانے کے بعد بادشاہ کو چرچ کا رکنِ اعلیٰ بنانے کے لیے اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ "تمام مذہبی مراسم میں بادشاہ کا نام لازماً لیا جائے گا"۔ ملک پر دونوں ادارے بادشاہ اور چرچ، جس طرح بیک وقت حکمراں ہیں اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ مزارعین ہر فصل کے چار حصے کرتے ہیں۔ ایک حصہ تو زمین کے مالک کے پاس چلا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ حکومت مالگذاری کے طور پر وصول کر لیتی ہے۔ تیسرا حصہ چرچ عشر کے طور پر وصول کر لیتا ہے اور چوتھا حصہ ان کے اپنے لیے بچتا ہے۔

ملک کی سیاسی صورتِ حال کے متعلق اب تک جو کچھ ہم نے بتایا ہے ۔ اس سے مسلمان باشندوں کے بارے میں کسی خوش فہمی کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔ اس شکارگاہ میں جو شکار سب سے زیادہ افراط کے ساتھ اور بغیر ادنیٰ سی کوشش کے شکاریوں کو مل جاتا ہے وہ یہی بے کس مسلمان باشندے ہیں چونکہ اب تک ملک میں باقاعدہ مردم شماری کبھی نہیں کرائی گئی اس لیے ملک کی کل آبادی کا اندازہ لگانا مشکل ہے ۔ تاہم حبشی حکومت نے ۱۹۶۰ء میں جو اعلان کیا تھا اس کے مطابق ملک کی کل آبادی دو کروڑ ہے جس میں ستره فی صد بت پرست قبائل ہیں ۔ باقی ماندہ آبادی میں حکومت کے محکمہ اطلاعات کے اپنے شائع کردہ پمفلٹ (۱۹۵۱ء) کے مطابق مسلمانوں اور عیسائیوں کی تعداد برابر ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ملک میں اس وقت تراسی لاکھ مسلمان موجود ہیں ۔

مسلمان باشندوں کی اتنی بڑی تعداد کو جس طرح نظر انداز کیا گیا ہے ، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حقائق سے کیا جا سکتا ہے ۔

۱ ۔ سولہ وزراء کی کابینہ میں ایک مسلمان وزیر بھی نہیں ہے ۔

۲ ۔ اعلیٰ سرکاری افسروں میں ایک مسلمان افسر بھی نہیں ہے ۔

۳ ۔ بارہ صوبائی گورنروں میں سے ایک مسلمان گورنر بھی نہیں ہے ۔

۴ ۔ گیارہ سو بیس اضلاع کے ایڈمنسٹریٹروں میں سے کل سات فی صد ایڈمنسٹریٹر مسلمان ہیں ۔

۵ ۔ ادنیٰ سرکاری ملازمین میں مسلمانوں کی تعداد دو فی صد ہے ۔

معاملہ اگر صرف نظر انداز کیے جانے تک ہی محدود رہتا تو بسا غنیمت تھا ۔ لیکن وہاں تو حالت یہ ہے کہ اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کو قانونی حیثیت دی گئی ہے ۔ حبشہ کا بادشاہ اگرچہ آئین کی رو سے مقدس صلیب کا محافظ ہے لیکن عملی طور پر اسلام کے خلاف جارح بھی ہے ۔ چنانچہ شاہ ہیل سلاسی نے اپنی مملکت میں اسلامی تہذیب کے تمام مراکز اور تمام اسلامی مدرسے بند کر دیے ہیں ۔ عربی زبان کا پڑھنا پڑھانا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے ۔ مسلم علاقوں کے چاروں طرف ایک آہنی پردہ قائم کر دیا گیا ہے تاکہ مسلمان باشندے بیرونی دنیا کے اسلامی اداروں سے بالکل کٹے رہیں ۔ حبشی مسلمانوں کو دوسرے اسلامی ملکوں میں

تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اسی طرح دوسرے اسلامی ملکوں کے علماء کو بھی حبشہ کے مسلم علاقے میں جانے کی قطعاً اجازت نہیں دی جاتی۔ ۱۹۵۱ء میں جامعہ ازہر کے علماء کا ایک وفد حبشہ میں مسلمان باشندوں کی تعلیمی حیثیت کا جائزہ لینے کے لیے ادیس ابابا پہنچا لیکن پہنچتے ہی اسے چند گھنٹوں کے نوٹس پر ملک سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ مدینہ یونیورسٹی میں حبشہ کے مسلمان طلبہ کے لیے چند نشستیں محفوظ کی گئیں اور حبشہ کی حکومت سے مسلمان طلبہ بھیجنے کی درخواست کی گئی لیکن حبشہ کی حکومت نے مسلمان طلبہ کو جانے کی اجازت نہ دی اور یونیورسٹی کو مطلع کر دیا کہ وہ اپنی مسلمان رعایا کو مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔

دینی تعلیم سے تو مسلمان باشندوں کو بے بہرہ رکھنے کی یوں کوشش کی جا رہی ہے اور دنیوی تعلیم سے انہیں محروم رکھنے کی کوششوں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۵۹ء کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں عیسائی طلبہ کی تعداد چودہ لاکھ ہے جبکہ مسلمان طلبہ کی تعداد کل دو ہزار۔ مزید براں کسی بھی مسلم علاقے میں اس وقت تک اسکول نہیں کھولا جاتا جب تک کہ وہاں تھوڑی بہت عیسائی آبادی نہ ہو۔ اس پر بھی یہ اطمینان کر لیا جاتا ہے کہ عیسائی آبادی میں ایسے بچے کافی تعداد میں موجود ہیں یا نہیں جو اسکول جانے کے قابل ہوں۔

صلیب کی حفاظت کا حق اس وقت تک ادا نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ہر اس شخص کو جبر و تشدد کا نشانہ نہ بنایا جائے جو صلیب کے آگے جھکنے کو تیار نہ ہو۔ چنانچہ حبشہ کے مسلم علاقے بورانہ کے ضلع بایو میں کرنل اَصَقا واللہ جبیرز اور جما میں ڈی جاز ماش میسفن سلاسی[1] کی سرگرمیاں اس امر کی زندہ شہادت ہیں۔

---

[1] یہ حضرت ایک ان پڑھ اجڈ سپاہی ہیں۔ گورنری کے عہدے پر ان کے تقرر کا باعث ان کی جسمانی قوت ہے جو جہاں پناہ ہیل سلاسی کو بھا گئی ہے۔ بے گناہ مسلمانوں کو پابہ زنجیر بر سر عام کوڑے لگوانا ان حضرت کا محبوب مشغلہ ہے۔ مقدس صلیب کی حفاظت کا فرض یہ حضرت یوں ادا فرماتے ہیں کہ مسلمان زمینداروں کی زمینیں ضبط کر کے ان میں انہیں سے جبراً مریم عذراء کے کلیسا تعمیر کرواتے ہیں۔

گوج کے بت پرست قبیلے کے سردار کو اپنے قبیلے سمیت مسلمان ہو جانے کے جرم میں جیل بھیج دیا گیا اور اس وقت تک جبر و تشدد کا نشانہ بنایا گیا جب تک کہ اس نے عیسائیت قبول نہ کر لی۔ گوٹی کے مسلمان قبیلے کے سلطان جراد ابراہیم سیو کو اسی مقدس مقصد کی خاطر سات ماہ تک مسلسل جسمانی اذیت پہنچائی گئی لیکن خوش نصیب سلطان اپنا ایمان سلامت لے کر سومالیہ فرار ہو جانے میں کامیاب ہو گیا۔ البتہ ایسے بدنصیب مسلمانوں کی تعداد بہت ہے جو سلطان کی طرح فرار نہ ہو سکے اور جان بچانے کی خاطر ایمان سے دستکش ہو جانے پر مجبور ہو گئے۔

مقدس صلیب کے محافظ حبشہ میں وہ حربے استعمال کر رہے ہیں جو حربے کمیونزم کے علمبردار روس اور چین میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حبشہ میں کسی شخص کو گرفتار کر لینے کے لیے محض یہ الزام لگا دینا انصاف کے تقاضوں کو پورا کر دیتا ہے کہ اس شخص نے شاہ کی توہین کی ہے۔ پھر وہ شخص اپنی زندگی کے چند سال کسی عقوبت خانے میں گزار کر گمنامی کی موت مر جاتا ہے۔ اب یہ مسلمانوں کا قصور ہے کہ اس الزام میں پکڑے ہمیشہ مسلمان ہی جاتے ہیں۔ چند سال قبل ایک سوڈانی ڈاکٹر نے جما کے مسلم علاقے کی جیل کا معاینہ کرنے کے بعد چار سو ایسے قیدیوں کی کہانی سنائی جن میں سے اکثر بوڑھے شیوخ تھے اور جو چار سے لے کر چھ سال سے بے داد و فریاد جیل میں پڑے سڑ رہے تھے۔ ان نیم جان بوڑھے مسلمان علماء سے شاہی خاندان کے کافی کے باغات میں بیگار لی جاتی تھی۔ یہ سب شاہ کی توہین کے الزام میں دھرے گئے تھے۔

مسلمان اکثریت کے علاقوں میں مسلمانوں کو سیاسی اور معاشی لحاظ سے بے دست و پا بنانے کے لیے، ان علاقوں میں امہرہ قبیلے کے آباد کار لا لا کر بسائے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کی زمینیں اور باغات چھین چھین کر امہرہ آباد کاروں کے حوالے کیے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے آئینی جد و جہد کا جواب جبر و تشدد سے دیا جاتا ہے۔ کاشتکاروں کی طرف سے پُر امن مزاحمت کو کچلنے کے لیے متعدد مرتبہ مسلح فوجیں بھیجی گئی ہیں۔ صوبہ دالو میں باٹی، کرفا اور آرگوبا میں نہتے عورتوں مردوں اور بچوں کا جس طرح شکار کھیلا گیا اس کی روداد شاید تاریخ کسی روز دنیا کو سنائے۔ خاک اور خون کا یہی کھیل صوبہ الو کے

ضلع باچا اور صوبہ ہرار کے اضلاع جرسم اور کلیاشا میں کھیلا گیا

۱۹۴۳ء کی ایک تاریک رات کو شاہی فوجوں نے اسواء کی مسلم ریاست پر حملہ کیا، سلطان محمد بایو کو گرفتار کرکے ادیس ابابا بھیج دیا گیا یہاں آلم بیکا کی جیل میں اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا اور پوری ریاست کو خاک کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا۔ ریاست کو یہ سزا کس جرم میں ملی۔ یہ ہنوز پردۂ اخفا میں ہے۔ آلم بیکا کی جیل صرف ایک سلطان محمد بایو کا ہی مقتل نہیں ہے بلکہ یہاں متعدد سلاطین اور شیوخ موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔

۱۹۴۸ء میں اہل ہرار نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے ایک پُرامن مظاہرے میں شاہ سے بلا امتیاز مذہب و عقیدہ مساوی سلوک کی بھیک مانگی لیکن شاہ نے فوج بھیج کر ان کی جھولیاں دہشت گردی اور خوف و ہراس سے بھر دیں: پندرہ سو سے زائد افراد کو جیل میں ٹھونس دیا گیا اور ممتاز افراد کو غائب کر دیا گیا۔ معلوم نہیں زمین کھا گئی یا آسمان اچک لے گیا۔ ۱۹۵۲ء میں صوبہ والو کے ضلع داوی کے بارہ دیہات میں فوج نے پچپن آدمیوں کو ان کے ماں باپ اور رشتہ داروں کے سامنے پھانسیوں پر لٹکا دیا اور دیہات کو تباہ و برباد کر دیا۔

ان مظالم کی شہادت غیر ہی نہیں اپنے بھی دے رہے ہیں۔ نیویارک ٹائمز ۴ جولائی ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے، "ہیل سلاسی نے مندوبین سے بگرا عالم کے قصبے کے قتلِ عام کی کہانی بھی چھپانے کی کوشش کی جو اس کی پولیس نے گذشتہ مارچ میں کیا تھا اور جس میں سینکڑوں کاشتکار گولیوں سے بھون دیئے گئے تھے۔ ان کاشتکاروں نے اپنے جاگیرداروں کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔"

لارڈ رینیل آف راڈ اپنی کتاب "افریقہ کے مقبوضہ علاقوں میں سالہائے ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان برطانوی فوجی نظم و نسق" میں لکھتے ہیں کہ "برطانوی فوجی نظم و نسق اپنے آپ کو ذمے داری سے بری کرنے کے بعد دناکل ایریا پر اثر انداز ہونے والے ہر معاملے سے بے تعلق رہا لیکن دوسری طرف حبشیوں نے اوسا کے سلطان کو گرفتار کر لیا جس کی ریاست اس ایریا میں شامل تھی۔ اس طرح انہوں نے وہاں اپنا نظم و نسق دوبارہ قائم کرنے کا دعویٰ کیا۔

حبشہ کا نیا دستور دفعہ ۲۱ میں بادشاہ کو یہ حلف اٹھانے کا پابند بناتا ہے کہ: "ہم مقدس آرتھوڈاکس غلیتھ کا اقرار اور اس کا دفاع کریں گے"۔ آرتھوڈاکس غلیتھ کے دفاع کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہوتا جب تک کہ ملک میں بسنے والے ہر شخص کو طوعاً او کرہاً اس غلیتھ کا پابند نہ بنا یا جائے۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اسے اسکے دین کے مطابق زندگی نہ گذارنے دی جائے۔ چنانچہ ۱۹۶۱ء میں ایک سول لا نافذ کر کے مسلمانوں کا پرسنل لا جس پر وہ صدیوں سے عمل کرتے چلے آرہے تھے منسوخ کر دیا گیا۔ اس سول لا کی بنیاد قوانین کے ایک قدیم مجموعے پر رکھی گئی ہے جسے ایک مصری قبطی الاسد الاعسل نے تیرھویں صدی عیسوی میں مرتب کر کے کلیسائی قوانین کو حبشہ میں متعارف کرایا تھا۔ یہ کتاب یہودی قوانین، رواجی قوانین اور انجیل کے احکامات کا ایک ملغوبہ ہے اور عرصہ دراز تک حبشی قبطیوں کے مقدمات کے فیصلوں کے لیے سند کا کام دیتی رہی ہے۔ حقیقت میں کیانت کے قوانین اور بے سروپا رسوم کے اس ملغوبے کو نیا لباس پہنا کر اسی لاکھ مسلمانوں کے سر منڈھ دیا گیا ہے۔

اس قانون کی دفعہ ۵۸۰ کی رُو سے عورت اور مرد کے بے نکاحی تعلق کو قانوناً تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس تعلق سے جو اولاد پیدا ہو، اسے اگر مرد اپنی اولاد مان لے تو وہ وراثت کی حقدار قرار دی گئی ہے۔ حبشی قبطیوں میں اسی نوعیت کی شادی رائج ہے۔ شادی بیاہ کی تقریبات کی انجام دہی قانون کی رُو سے خاص سرکاری افسر کرتے ہیں۔ مزید برآں اسلامی قانون میں جن رشتہ داروں کے درمیان نکاح جائز ہے مثلاً چچا زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد اور ماموں زاد بہن بھائی، سول لا کی رو سے ان کے درمیان نکاح ناجائز ہے۔ (دفعات ۵۸۲-۵۸۳) اسی طرح تعددِ ازواج کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور عورت کو مرد کی طرح طلاق دینے کا اختیار دے دیا گیا ہے (دفعہ ۵۸۵)۔ دفعات ۶۲۶ تا ۶۵۶ میں وراثت کا جو قانون بنایا گیا ہے وہ اسلامی قانونِ وراثت کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔

مسلمانانِ حبشہ میں، ڈیڑھ دو صدی کے ظلم وستم کا شکار بننے کے باوجود ابھی اتنی دینی غیرت باقی تھی کہ انتہائی حوصلہ شکن حالات میں بھی انہوں نے ٹھنڈے پیٹوں اس زبردستی کو برداشت کرنے سے

انکار کر دیا اور حبشی پارلیمان کے مٹھی بھر مسلمان ارکان نے مقدور بھر اس قانون کی ڈٹ کر مخالفت کی بلکہ خود بادشاہ کے سامنے بھی اپنے اعتراضات رکھ دیئے لیکن اقتدار حق اور انصاف کے سامنے جھکنے کے لیے تیار نہ ہوا اور یہ قوانین تراسی لاکھ مسلمانوں کی ناپسندیدگی کے باوجود ڈنڈے کے زور سے ان پر نافذ کر دیئے گئے۔

اریٹریا کا المیہ اریٹریا بھی ان چند مسلمان ریاستوں میں سے ایک ہے جو حبشہ کے پڑوس میں ہونے کی سزا بھگت رہی ہیں لیکن اریٹریا باقی ریاستوں سے اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس نے کالے سامراج کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا ہے اور مسلمانانِ اریٹریا آزادی کی خاطر جان کی بازی لگا رہے ہیں۔

اریٹریا کے مغرب اور شمال میں سوڈان، مشرق میں بحرِ احمر جنوب مشرق میں فرانسیسی سومالی لینڈ اور جنوب میں حبشہ واقع ہیں۔ بحرِ احمر پر اس کا ساحل ۶۷۰ میل لمبا ہے اور اس کے سامنے سمندر کے دوسری جانب یمن اور سعودی عرب کے ملک واقع ہیں۔ اس کی بائیس لاکھ پچاس ہزار کی آبادی مسلمانوں اور قبطی عیسائیوں پر مشتمل ہے جس میں مسلمان ۷۵ فی صد ہیں۔ ملک کا دارالحکومت اسمرا ہے جس کی آبادی ایک لاکھ پچاس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اہم بندرگاہیں مصوع اور عصب ہیں۔

قدیم زمانہ میں اریٹریا مصر کا ایک مقبوضہ تھا۔ پھر رومی عہد کے آغاز میں یہ ایک خودمختار ریاست بن گیا جس سے رومی سلطنت کے قریبی حلیفانہ تعلقات تھے۔ بنی امیہ کے زمانہ میں یہ اسلامی سلطنت کا جزو بن گیا اور چند صدیوں تک اسلامی خلافت کے تحت رہنے کے بعد یہاں ایک الگ سلطنت بن گئی جو سولھویں صدی تک خودمختار رہی اور حبش کی دست درازیوں کے باوجود اس کا مستقل وجود برقرار رہا۔ سولھویں صدی میں پرتگیزوں اور حبشیوں کی تاخت سے تنگ آکر اریٹریا والوں نے ترکوں کی سرپرستی قبول کر لی۔ ۱۸۶۵ء میں سلطان ترکیہ کے نائب کی حیثیت سے مصری حکومت نے اریٹریا کو اپنے انتظام میں لے لیا۔ آخر ۱۸۸۵ء میں اٹلی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت سے لیکر ۱۹۴۱ء تک اریٹریا اٹلی کے سامراج کے تحت رہا۔ پھر جب دوسری جنگِ عظیم میں اٹلی نے

شکست کھائی تو اتحادی افواج نے اریٹریا پر قبضہ کر لیا۔ اور ان کی جانب سے برطانیہ نے اس کا انتظام سنبھال لیا۔

دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد اریٹریا براہِ راست حبشی استعمار کی زد میں آگیا کیونکہ شاہ ہیل سلاسی کو یقین تھا کہ زود یا بدیر برطانیہ اریٹریا پر سے اپنا تسلط اٹھالے گا۔ شاہ ہیل سلاسی نے مناسب سمجھا کہ اپنے پرانے حلیف برطانیہ کی سرپرستی میں ہی اریٹریا کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے لیے زمین ہموار کر لی جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اریٹریا کے قبطی کلیسا کو آلۂ کار بنایا اور چند عیسائی اریٹریوں کو گانٹھ کر ملک میں یونینسٹ پارٹی بنوادی تاکہ جمہوریت کا نقاب اوڑھ کر اریٹرین عوام کی آزادی پر چھاپا مارا جاسکے۔ لیکن اریٹریا کے مسلمانوں کو حالات نے چوکنا رہنا سکھا دیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اریٹریا کے بارے میں ہیل سلاسی کے ارادوں سے بے خبر بھی نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً ہی ملک کی آزادی کی خاطر منظم جدوجہد کرنے کے لیے ۴ دسمبر ۱۹۴۶ء کو اریٹرین مسلم لیگ پارٹی کی تشکیل کی۔ اگرچہ چار اور چھوٹی چھوٹی پارٹیاں بھی بنائی گئی تھیں لیکن بعد میں یہ سب پارٹیاں مسلم لیگ میں ضم ہوگئیں اور اس طرح ایک محاذِ آزادی وجود میں آگیا۔ اریٹریا کی آزادی اور خودمختاری کے خواہشمند صرف مسلمان ہی نہیں تھے بلکہ اطالوی اقلیت اور مقامی عیسائی آبادی کی بھی غالب اکثریت اپنے ملک کو آزاد اور خودمختار دیکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ لبرل پروگریسو پارٹی کے نام سے ایک اور جماعت بھی قائم ہوگئی۔ اس طرح باشندگانِ اریٹریا علی اختلاف العقیدہ ملک کی آزادی کی خاطر دوش بدوش کھڑے ہوگئے۔

شاہ ہیل سلاسی نے جب یہ صورتِ حال دیکھی اور اسے سیدھی انگلیوں گھی نکلتا نظر نہ آیا تو وہ اوچھے حربے استعمال کرنے لگا۔ کرائے پر غنڈوں کی خدمات حاصل کی گئیں، انہیں اسلحہ فراہم کیے گئے اور اب اریٹریا میں دہشت انگیزی کا دور شروع ہوا۔ مسلم لیگ اور لبرل پروگریسو پارٹی کی نمایاں شخصیتوں پر دستی بموں سے حملے کیے گئے۔ مسلم لیگ کی اسمرا برانچ کے صدر سید عبدالقادر محمد صالح کبیری کو ۱۹۴۹ء میں خفیہ طور پر قتل کروا دیا گیا۔ اسی زمانہ میں حبشہ کے دہشت انگیزوں نے

لبرل پروگریسو پارٹی کے ممتاز رہنما ڈی جانا ماش بارے کو قتل کر ڈالا ۔ ممتاز حریت پسندوں کو قتل کرنے کے بعد بھی جب آزادی کی لہر تھمتی نظر نہ آئی تو یونینسٹ دہشت انگیزوں نے جبر و تشدد اور خوف و ہراس پھیلانے کی ایک عام مہم چلا دی ۔ حریت پسندوں بالخصوص مسلمان قبائل کے کھیتوں پر حملے کر کے انہیں برباد کر ڈالا گیا اور مویشی لوٹ لیے گئے ۔

اٹلی اور اتحادیوں کے درمیان ۱۹۴۷ء میں جو معاہدۂ امن طے پایا تھا اس کی رو سے چاروں اتحادی طاقتوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ معاہدے کے نفاذ کے ایک سال کے اندر اریٹریا کی قسمت کا فیصلہ کر دیں ۔ چنانچہ باشندگانِ ملک کی مرضی معلوم کرنے کے لیے چاروں طاقتوں کا ایک کمیشن اریٹریا آیا ، لیکن یہ لوگ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے ۔ اس کے بعد یہ مسئلہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش کر دیا گیا ۔

۱۹۵۰ء میں اقوامِ متحدہ نے برما ، گواٹی مالا ، ناروے ، پاکستان اور جنوبی افریقہ کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیشن کی تشکیل کی اور اسے اریٹریا بھیج دیا ۔ جس روز اس کمیشن کو اریٹریا کے دارالحکومت اسمرا میں پہنچنا تھا عین اسی روز باشندگانِ ملک کو ڈرا دھمکا کر مطالبۂ آزادی سے باز رکھنے کے لیے حبشہ نے اپنے حامی عیسائیوں سے اسمرا کی مسلمان آبادی پر حملہ کروا دیا ۔ نتیجے کے طور پر زبردست لڑائی چھڑ گئی جو پانچ روز تک جاری رہی ۔

حبشہ کی یہ چال بھی ناکام رہی اور اقوامِ متحدہ کے کمیشن نے اریٹریا کا دورہ کرنے کے بعد واپس جا کر متفقہ طور پر اس رائے کا اظہار کیا کہ ملک کی آبادی کی غالب اکثریت حبشہ کے ساتھ ملنے کو تیار نہیں ہے ۔ بلکہ پاکستان کے میاں ضیاؤالدین اور گواٹی مالا کے کارلاس گرسیا بوئر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ دہشت انگیزی اور قبطی کلیسا کے اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال نے آزادیٔ رائے کا دروازہ بند کر رکھا ہے لیکن ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ملک کی آبادی کی غالب اکثریت آزادی چاہتی ہے ۔ انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ ملک کی عظیم مسلم آبادی اور اہم اطالوی اقلیت کے متعلق کبھی بھی یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ حبشہ کے ساتھ الحاق کو چپ چاپ قبول کر لیں گے ۔ دونوں معزز ارکان نے بدلائل ثابت کیا کہ اریٹریا کو آزاد ہونا چاہیے تاکہ وہ از خود حبشہ کے ساتھ الحاق ، وفاق یا مطلق خود مختار اور آزاد

رہنے کا فیصلہ کر سکے۔

حبشہ نے اریٹریا کو یوں ہاتھ سے جاتا دیکھ کر درپردہ اپنے مغربی سلیبیوں اور ہم مذہبوں سے مدد کی بھیک مانگی۔ چنانچہ امریکہ نے حق اور انصاف کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کمیشن کی رپورٹ کے برعکس جنرل اسمبلی میں ایک قرارداد کا مسودہ پیش کیا جس کی رُو سے اریٹریا کو حبشہ کے ساتھ وفاق بنانے پر مجبور کیا گیا۔

۲ دسمبر ۱۹۵۰ء کو جنرل اسمبلی نے دس کے مقابلے میں چھیالیس ووٹوں کے ساتھ اس قرارداد کو منظور کر لیا۔ اپنی اس قرارداد کے ذریعہ سے جنرل اسمبلی نے سفارش کی کہ اریٹریا کو حبشہ کے ساتھ وفاق بنانا چاہیے۔ اس وفاق کی جو عملی صورت تجویز کی گئی وہ یہ تھی کہ حکومتِ حبشہ کو جس کے سیاہ و سفید کا مالک شاہ ہیل سلاسی ہے، وفاقی حکومت کا درجہ دیا گیا اور پورے وفاق کے دفاع، امورِ خارجہ، مالیات، تجارت، مواصلات اور بندرگاہوں کے انتظام اور نظم و نسق کے اختیارات اس کے حوالے کر دیئے گئے۔ اریٹریا کو صرف ان امور میں داخلی خود مختاری دی گئی جن کا اختیار وفاقی حکومت کو نہ تھا مثلاً داخلی معاملات کے لیے قانون سازی، انتظامیہ، عدلیہ، پولیس، ٹیکسیشن اور اپنے داخلی بجٹ کی تیاری۔ گویا عملاً اریٹریا کی حیثیت حبشہ کے ایک صوبے کی سی قرار دی گئی اور اس کی خود مختاری صوبائی خود مختاری سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ جنرل اسمبلی نے اپنی قرارداد میں یہ سفارش بھی کی کہ اریٹریا اور حبشہ کے مساوی نمائندوں پر مشتمل ایک امپیریل فیڈرل کونسل بنائی جائے اور اریٹریا کے لیے جمہوری اصولوں پر مبنی ایک دستور مہیا کیا جائے۔

اس طرح نظریہ ظاہر اقوامِ متحدہ نے اریٹریا کو شاہ ہیل سلاسی کے حوالے کر دیا، اگرچہ حقیقت میں اریٹریا کو حبشہ کی کالونی بنانے کا سہرا امریکہ کے سر بندھتا ہے۔ باقی جہاں تک وفاق اور تقسیمِ اختیارات کا تعلق ہے تو یہ تو محض باشندگانِ اریٹریا کی اشک شوئی اور دنیا کو بے وقوف بنانے کے لیے ایک طلسمِ ہوشربا تھا۔ کیونکہ شاہی مطلق العنانیت کے تحت جمہوری دستور اور داخلی خود مختاری کاٹھ کے گھوڑے سے مختلف کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کی شہادت وفاق بننے کے بعد کے دس سال دیں گے

بعد میں اریٹیریا میں جمہوری آزادیاں کچل دی گئیں، حبشی فوج نے دہشت گردی اور غارت گری کا بازار گرم کر دیا، اریٹیریا کا پرچم، امتیازی نشانات اور سرکاری زبانیں (عربی اور تگری) ختم کر دی گئیں، سینکڑوں اریٹیریوں کو بغیر مقدمہ چلائے یا تو قتل کر دیا گیا یا جیلوں میں ٹھونس دیا گیا جہاں حبشی پولیس نے انہیں ناکردہ گناہوں کا اقبال کرانے کے لیے ناقابلِ بیان جسمانی اور ذہنی اذیتیں پہنچائیں۔

دس سال کے عرصہ میں جب اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ اب دنیا اریٹیریا کو بھول چکی ہے اور خود اریٹیریوں میں اتنی جان باقی نہیں ہے کہ وہ کسی بے انصافی کے خلاف آواز اٹھا سکیں تو وفاق کے طلسم ہوشربا کو مزید جاری رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ چنانچہ ۱۴ نومبر ۱۹۶۲ء کو حبشی سلطنت میں اریٹیریا کے باقاعدہ ادغام کا اعلان کر دیا گیا۔

اقوامِ متحدہ کی قرارداد کی اس صریح خلاف ورزی پر اریٹیریا کے عوام یہ امید لے کر اقوامِ متحدہ میں پہنچے کہ اگر حق اور انصاف نہیں تو اپنی ہی منظور کی ہوئی قرارداد کا پاس کرتے ہوئے ادارۂ اقوامِ متحدہ اس سلسلے میں کوئی مداخلت کرے گا لیکن ان کی قانونی درخواستوں کو وہاں پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہ دی گئی۔

دھونس اور دھاندلی کے اس مسلسل مظاہرے نے بالآخر اریٹیریا کے مسلمانوں کا پیمانۂ صبر لبریز کر دیا اور انہوں نے کالے سامراج سے نجات حاصل کرنے کے لیے جو افریقہ میں گورے سامراج کی جگہ لے رہا ہے، مجاہدینِ الجزائر کے بنائے ہوئے راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اریٹیرین لبریشن فرنٹ (محاذِ آزادی) کے نام سے وہاں کے نوجوانوں نے ایک انقلابی تنظیم قائم کر لی ہے۔ مسلح جدوجہد کی خاطر منظم گوریلا جنگ جو جناب حمید ادریس اواتی کی قیادت میں ایک آزاد فوج کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے۔ اور اب اریٹیرین مجاہد بڑی بہادری سے حبشہ کی استعماری فوجوں کے خلاف لڑ رہے ہیں کرائے کے سپاہی ان سرفروشوں کے مقابلے میں کئی مرتبہ ہزیمت اٹھا چکے ہیں اور گذشتہ ڈیڑھ دو سال میں انتہائی سنگین نوعیت کے واقعات بار بار رونما ہو چکے ہیں لیکن دنیا ان سے بے خبر ہے کیونکہ شاہ ہیل سلاسی نے اریٹیریا کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ کوئی صحافی اور نامہ نگار آزادی کے ساتھ اریٹیریا میں نہیں گھوم

سکا۔ چند ہی مہینے قبل یعنی جون ۱۹۶۳ء میں اریٹرین پولیس کمشنر بریگیڈیر جنرل ٹڈلا یوک بیٹ کو اسمرا میں حبشی افسروں نے اس وجہ سے قتل کر دیا کہ اس نے سات ہزار نفوس پر مشتمل پولیس فورس کو نہتا کر دینے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اس جرم پر یہ کہہ کر پردہ ڈال دیا گیا کہ پولیس کمشنر نے خودکشی کر لی ہے۔

جہاں تک مسلمانانِ اریٹریا کا تعلق ہے وہ تو سر سے کفن باندھ کر آزادی کی چتا میں چھلانگ لگا چکے ہیں۔ کامیابی اور ناکامی اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن عالمِ اسلام کی بے حسی کو تاریخ کبھی معاف نہیں کریگی جس کے کشتگانِ تغافل کی فہرست بہت طویل ہو چکی ہے۔

"ندائے ملت" کی اشاعت خاص

صدیق حسن نمبر

وہ اُتر پردیش کے سینئر آئی، سی، ایس آفیسر تھے ـــ لیکن خدا کی شان اور اس کی دین ہے کہ موجودہ ہندوستان میں اسلام پر جینے اور مرنے کی آرزو رکھنے والوں کے لیے ایک آئی، سی، ایس کی زندگی نشانِ راہ بن رہی ہے، روشنی بن رہی ہے، اور مایوسیوں کو صدائے لا تحزن سنا رہی ہے۔

ندائے ملت کے تقریباً ۶۰ صفحات پر اس زندگی کے کچھ اوراق پڑھیے

ندائے ملت کا یہ نمبر ہندوستان کے معروف اور مقتدر مسلم اور غیر مسلم حضرات کے مضامین سے آراستہ ہو کر ـــ ۱۴ دسمبر ۶۳ء ـــ کو نکل رہا ہے

اس نمبر کی قیمت ۵۰ نئے پیسے، علاوہ ڈاک خرچ۔ سالانہ خریداری قبول کرنے والوں کے لیے کوئی علیحدہ قیمت نہیں

"ندائے مِلت" لکھنؤ فون: ۲۲۵۳۴